***Journal of Religion & Society* (JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Authority of Custom and Habit in Shari'ah Rules in Light of the Jurisprudential Schools

فقہی مسالک کی روشنی میں شرعی احکام میں عرف وعادت کی حجیت

Dr Muhammad Arif Raza
Ex-Visiting Lecturer Islamic Studies, National Textile University Faisalabad
qarisaab78600@gmail.com
Dr Muhammad Muzammil Imran
Lecturer Islamic Studies, the Punjab School System and College, Kehkashan Colony Number 2 Jaran Wala Road Faisalabad
muzammilimran.6692@gmail.com
Kulsoom Khaleeq Ansari
Lecturer of Islamic Studies, College Education Department, Government of Sindh
M.Phil Scholar at NUML Karachi Campus
Kulsoom.spectra@gmail.com

Abstract

The foundation of Islamic law is the divine revelation, which is preserved in the form of the Quran and the Sunnah of the Prophet (peace be upon him). Alongside these primary sources, Islamic jurisprudence has also established principles and regulations to address new issues that arise in different temporal and spatial contexts. Among these principles, "custom and habit" hold a significant and influential status, which scholars have utilized in the extraction and application of Shari'ah rulings.The word (custom) in its linguistic sense refers to something being prominent or well-known, while in its technical sense, it refers to practices or behaviors that are widely accepted and acknowledged in a society, and which are considered appropriate and fitting by those possessing sound intellect and judgment. Similarly (habit) refers to a pattern of behavior that arises from the continuous repetition of a particular individual, group, or society.The role of and has always been a subject of discussion in Islamic jurisprudence, particularly when the question arises whether customs and habits can influence the definitive rulings of Shari'ah. The answer to this question

varies among the different jurisprudential schools, which have provided their responses in light of their methodological approaches and principles of ijtihad.It is evident that the primary objective of Shari'ah is the protection of human welfare, taking into account their circumstances and needs. Custom and habit serve as a crucial means in this regard, reflecting the practical life of a particular community or society. For this reason, Islamic jurists have not only considered and in the process of deriving rulings but have also at times used them as a criterion in understanding and applying textual sources.In this article, we will provide a detailed examination of the Shari'ah authority of "custom and habit" in light of the four major Sunni schools of thought: Hanafi, Maliki, Shafi'i, and Hanbali. We will clarify under which conditions custom and habit can be regarded as a valid source of law, and explore the nature and scope of their applicability.

Keywords: *Habit in Shari'ah, Jurisprudential Schools, Established, Regulations, Methodological, Ijtihad, Islamic Jurists.*

شریعتِ اسلامیہ کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے جو قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ﷺ کی صورت میں محفوظ ہے۔ ان بنیادی مآخذ کے ساتھ ساتھ اسلامی فقہ نے ایسے اصول وضوابط بھی وضع کیے ہیں جن کی روشنی میں مختلف زمانی ومکانی حالات میں پیش آنے والے نئے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے۔ ان اصولوں میں "عرف وعادت" کو ایک معتبر اور موثر ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، جسے فقہاء نے احکامِ شرعیہ کے استخراج وتطبیق میں بروئے کار لایا ہے۔ لفظ "عرف" لغت میں کسی شے کے نمایاں اور معروف ہونے کے معنی میں آتا ہے، جبکہ اصطلاحاً اس سے مراد وہ عمل یا رویہ ہے جو کسی معاشرے میں عمومی طور پر رائج اور قابلِ قبول ہو، اور جسے اہلِ عقل وفہم اچھا اور مناسب سمجھتے ہوں۔ اسی طرح "عادت" کسی خاص فرد، گروہ یا قوم کی مسلسل تکرار سے پیدا ہونے والی طرزِ عمل کو کہا جاتا ہے۔ اسلامی فقہ میں عرف وعادت کی حیثیت ہمیشہ موضوعِ بحث رہی ہے۔ بالخصوص جب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا شریعت کے قطعی احکام میں عرف وعادت کو اثر انداز ہونے کا اختیار حاصل ہے؟ تو اس کا جواب مختلف فقہی مکاتبِ فکر نے اپنے اصولی منہج اور اجتہادی طریق کار کی روشنی میں دیا ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ شریعت کا بنیادی ہدف انسانوں کے مصالح کا تحفظ اور ان کے حالات وضروریات کا لحاظ رکھنا ہے، اور عرف وعادت اس سلسلے میں ایک اہم ذریعہ ہے جو کسی قوم یا معاشرے کی عملی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے عرف وعادت کو نہ صرف استنباطِ احکام میں پیشِ نظر رکھا بلکہ بعض اوقات نصوص کے فہم وتطبیق میں بھی اسے معیار بنایا۔ زیر نظر مضمون میں ہم فقہی مسالک اربعہ یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مکاتبِ فکر کی روشنی میں "عرف وعادت" کی شرعی حجیت کا تفصیلی جائزہ لیں گے، اور یہ واضح کریں گے کہ کن شرائط کے تحت عرف وعادت کو حجت تسلیم کیا جا سکتا ہے، اور اس کی نوعیت ودائرۂ کار کیا ہے۔

فقہائے اسلام کی نظر میں عرف کی اہمیت اور اس کا عملی اطلاق

اسلامی شریعت کی تعبیر وتشریح کا فریضہ انجام دینے والے فقہائے امت نے نہ صرف دینی احکام کی حدود وقیود کو واضح کیا بلکہ عصرِ حاضر کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے تناظر میں بھی اسلامی تعلیمات کی روح کو زندہ رکھا۔ اس مقصد کے تحت انہوں نے عرف کو ایک مؤثر اور معتبر اصول کی حیثیت سے تسلیم کیا، جس کے ذریعے شریعت کے عملی نفاذ کو زیادہ قابلِ فہم اور قابلِ عمل بنایا جا سکے۔ فقہاء نے اصولِ فقہ میں ایسے جامع قواعد مدوّن کیے جن کی بنیاد عرف اور مصلحتِ عامہ پر رکھی گئی، اور ان اصولوں کی روشنی میں انہوں نے متعدد تفریعی مسائل کو اجتہادی

بصیرت سے حل کیا۔ ان کی یہ کوشش اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ وہ امت کو شرعی احکام کے عملی نفاذ میں آسانی فراہم کرنا چاہتے تھے تاکہ ہر دور کے مسلمان دین سے ہم آہنگ رہ سکیں اور انہیں زمانے کی تبدیلی کے باعث دین پر عمل کرنے میں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہو۔
انہوں نے واضح کیا کہ جو احکام عرف اور اجتماعی مصالح پر مبنی ہوتے ہیں، وہ عرف کے بدلنے سے خود بخود بدل سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ کسی قطعی نص کے معارض نہ ہوں۔ اس اصول نے اسلامی قانون کو زندگی کے ہر مرحلے میں متحرک، لچکدار اور مؤثر بنائے رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

امام بخاری کے فقہی منہج میں عرف کی حیثیت

فقہائے امت میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نہ صرف علمِ حدیث کے امام تھے بلکہ ان کی فقہی بصیرت بھی غیر معمولی تھی۔ انہوں نے عرف کو فقہی احکام میں ایک معتبر اور مؤثر بنیاد کے طور پر تسلیم کیا، اور اپنی شہرۂ آفاق کتاب الصحیح البخاری میں اس کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ کتاب البیوع میں ایک باب قائم کرتے ہوئے یوں عنوان قائم کیا:

باب من أجرى الأمصار على ما يتعارفون بينهم في البيوع والإجارة والمكيال والوزن وسنتهم على نياتهم ومذاهبهم المشهورة"[1]

یعنی "یہ باب اس بارے میں ہے کہ مختلف شہروں کے معاملات کو ان کے آپس میں متعارف طریقوں پر جاری کیا جائے، بیع، اجارہ، ناپ تول اور دیگر امور میں ان کا عرف معتبر ہو، جو ان کی نیتوں اور مشہور مذاہب کے مطابق ہوں"۔

یہ باب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امام بخاریؒ عرف کو شرعی احکام کی بنیاد کے طور پر تسلیم کرتے تھے اور اسے فقہی معاملات میں معتبر سمجھتے تھے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ اس باب کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وحاصل الكلام أن البخاري قصد بهذه الترجمة إثبات الاعتماد على العرف والعادة"[2]

یعنی "اس باب کا حاصل کلام یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصد عرف اور عادت پر اعتماد کو ثابت کرنا ہے"۔

امام بخاریؒ نے عرف کے حجت ہونے کے لیے متعدد آثار و روایات سے استدلال کیا، جن میں سے تین درج ذیل ہیں:

محمد بن سیرینؒ کا اثر:

آپ فرماتے ہیں:

"لا بأسَ بالعشرةِ بأحدَ عشرَ، ويأخذُ لنفقتِهِ ربحًا"[3]

یعنی "دس کے بدلے گیارہ لینے میں اور نفقے کے لیے نفع لینے میں کوئی حرج نہیں"۔

---

[1] محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، جلد 1، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص294

[2] بدرالدین العینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد 12، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص16

[3] محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، جلد 2، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص97

اس سے یہ مراد لی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز دس درہم میں خرید کر گیارہ درہم میں فروخت کرے اور اضافی رقم میں اپنے اخراجات (مثلاً سفر یا نقل و حمل) شامل کرے، تو یہ عرف کے مطابق جائز ہے، بشرطیکہ عقدِ مرابحہ میں یہ نہ کہا جائے کہ چیز اتنے پر خریدی ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ چیز مجھے اتنے کی پڑی۔

واقعہ حسن بصریؒ و عبداللہ بن مرداس:

حضرت حسن بصریؒ نے عبداللہ بن مرداس سے ایک گدھا کرایہ پر لیا اور جب دوبارہ بغیر اجرت طے کیے سواری لی، تو پہلے سے متعارف اجرت کے مطابق ادائیگی کر دی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرف کو اجرت کے تعین میں بنیاد بنایا گیا، حالانکہ اجرت کی تعیین نہ ہونا اصولاً اجارہ کو فاسد بناتا ہے، مگر یہاں عرف کے باعث اجارہ معتبر ہو گیا۔

واقعہ حضرت ابو طیبہؓ:

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طیبہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو پچھنے لگائے، اگرچہ پہلے سے اجرت مقرر نہ تھی، لیکن آپ ﷺ نے انہیں ایک صاع کھجور عطا کی اور مالک سے ان کے خراج (ٹیکس) میں تخفیف کی سفارش فرمائی۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ عملی معاملات میں متعارف طریقے پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔[4]

حنفی فقہ میں عرف و عادت کی اصولی حیثیت

حنفی مسلک کے بانی امام ابو حنیفہ ہیں آپ کا نام نعمان بن ثابت ہے۔ آپ 80ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے کوفہ اس وقت عراق میں فقہاء کا مرکز تھا۔

تقریباً تمام فقہاء کرام اور آئمہ مجتھدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عرف بھی شرعی احکام اور فقہی مسائل کے مراجع میں سے ایک ہے خاص طور پر احناف اور مالکیہ نے اپنے مسالک کے اکثر مسائل میں عرف سے استفادہ کیا ہے اور عرف کی تاثیر کو دوسرے ائمہ کرام کے مقابلے میں زیادہ تسلیم کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے اصول اجتہاد میں سے ایک اہم اصول یہ تھا کہ آپ جب قیاس کو لوگوں کے معاملات کے ساتھ ہم آہنگ نہ پاتے تو استحسان کو کام میں لاتے اور اس کی مدد سے مسائل کا حکم اخذ کرتے قیاس اور استحسان سے کام لیتے وقت بھی آپ کی نظر عرف و عادت اور عام لوگوں کے تعامل پر ہوتی تھی اور اپنے اجتہاد میں دو امکانی حد تک لوگوں کے عرف و عادت کو پیش نظر رکھتے تھے[5]

یہاں عرف سے متعلق ان قواعد کلیہ کا بیان ہو گا جن کی تصریح حنفی فقہاء نے کی ہے نیز مفتی کے لیے عرف جاننے کی ضرورت اور عرف کے مطابق فتویٰ دینے اور اس سے باخبر رہنے کی اہمیت کا تذکرہ ہو گا۔

عرف سے متعلق قواعد کلیہ

قاعدہ کلیہ ایک ایسا عام ضابطہ ہوتا ہے جس پر کئی سارے جزوی مسائل متفرع ہو سکتے ہیں۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں عرف سے متعلق کئی ایسی عبارات ملتی ہیں جو عمومی ضابطوں اور قواعد کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں سے اکثر کو "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" اور "الاشباہ والنظائر میں جمع کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان ضابطوں کا بیان مختصر تشریح کے ساتھ ذکر ہو گا۔

فقہی قواعد میں عرف و عادت کی بنیاد: اصولی تشریح

---

4 محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، جلد 1، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص 294

5 بزدوی، ابو الحسن علی بن محمد بن حسین، اصول البزدوی، ج 2 ص 242

اسلامی فقہ میں "عرف" اور "عادت" کو شرعی احکام کے تعین میں ایک بنیادی اصولی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، خاص طور پر ایسے معاملات میں جہاں نصوصِ قطعیہ نہ ہوں۔ فقہائے کرام نے اس اصول کو اصول فقہ کے ضمن میں مستقل قاعدوں کی صورت میں منضبط کیا ہے، جن میں سب سے مشہور قاعدہ یہ ہے:

"العادة محكمة"

یعنی "عادت کو شرعی احکام میں بنیاد اور فیصلہ کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔"

امام ابن نجیمؒ اس قاعدہ کی تشریح کرتے ہوئے اپنی معروف کتاب الاشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں کہ شریعت نے بعض امور میں عوامی تعامل اور معمولات کو حجت تسلیم کیا ہے، بشرطیکہ وہ عام ہوں اور کسی شرعی نص کے مخالف نہ ہوں۔ یہی قاعدہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں بھی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہاں "عادت" سے مراد وہ عرف ہے جو کسی معاشرے میں عوام الناس کے مابین رائج ہو، اور اکثر لوگ اس پر عمل پیرا ہوں۔

ابن نجیم لکھتے ہیں:

"محکمتہ" کے معنی یہ ہیں کہ عادت کو شریعت میں کسی حکم کے لیے بنیاد تسلیم کیا جائے، مگر یہ اسی وقت معتبر ہو گی جب وہ عادت عام ہو چکی ہو اور شریعت کی کسی صریح نص کے خلاف نہ ہو۔[6]

مثلاً اگر کسی معاملے میں کوئی شرط صراحت کے ساتھ عقد میں بیان نہ کی گئی ہو، تو اس کا فیصلہ اس وقت کے رائج عرف کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ مثلاً کسی سواری والے جانور (مثلاً گھوڑا یا اونٹ) کی خرید و فروخت میں اگر زین اور لگام کا ذکر نہ کیا گیا ہو، تو دیکھا جائے گا کہ اس علاقے یا قوم میں عرف کیا ہے۔ اگر عرف یہ ہو کہ زین اور لگام بھی ساتھ دی جاتی ہیں، تو وہ بھی خریدار کو دی جائیں گی، ورنہ فروخت کنندہ ان کا مالک رہے گا۔

اسی قاعدے کا ایک اور عملی اطلاق یہ ہے کہ اگر کوئی عبادت یا معاملہ کسی کی عادت کا حصہ بن چکا ہو، تو وہ عادت بعض فقہی احکام میں تبدیلی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ جیسے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ جس کی اس دن روزہ رکھنے کی مستقل عادت ہو، اس کے لیے روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔

اسی طرح قاضی اگر کسی ایسے شخص سے ہدیہ قبول کرے جس کی طرف سے تحائف دینا پہلے سے رائج ہو، تو یہ امر شرعاً ممنوع نہیں، کیونکہ وہ تحفہ رشوت کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

تعامل عام کی حجیت: ایک دوسرا اصولی قاعدہ

فقہ اسلامی میں عرف و عادت کے اعتبار سے دوسرا اہم اصولی قاعدہ یہ ہے:

"استعمال الناس حجة يجب العمل بها"

یعنی "لوگوں کا تعامل (یعنی معمول و طریقہ) ایک ایسی حجت ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔"

امام سرخسیؒ اس قاعدے کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"تعامل الناس من غير نكير اصل في الشرع"[7]

---

[6] ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، قدیمی کتب خانہ، ص 93

[7] سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، جلد 14، ص 23

یعنی "لوگوں کا تعامل، جب وہ کسی نکیر (شرعی مخالفت) کے بغیر ہو، شریعت میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔"
اس اصول کے تحت، ایسے معاملات جن میں شریعت کی کوئی ممانعت وارد نہ ہوئی ہو اور لوگ مسلسل اس پر عمل کر رہے ہوں، وہاں تعاملِ عام کو دلیل اور بنیاد بنایا جائے گا۔ جیسے بیعِ وفا یا منقول اشیاء کا وقف، جو نصوص سے نہ سہی، لیکن لوگوں کے تعامل کی بنا پر فقہی جواز حاصل کر چکے ہیں۔

قاعدہ ۳: عرفِ عام کا معاہدہ میں ضمناً شامل ہونا

اس اصول کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز لوگوں کے ہاں بطور عرف معروف و متداول ہو، وہ معاہدے کا ایسا جزو سمجھی جائے گی گویا کہ اس کی باقاعدہ شرط معاہدے میں لگائی گئی ہو۔ فقہی کتب میں اسے مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جیسے:
"المبسوط" میں آیا ہے: "من المعروف بالعرف كالمشروط بالنص والمعروف في كل موضع يجعل كالمشروط"
یعنی جو بات عرف میں معروف ہو، وہ ایسی سمجھی جائے گی جیسے معاہدے میں صراحت کے ساتھ شرط لگائی گئی ہو۔ اسی طرح بعض جگہ الفاظ ہیں: "الثابت بالعرف كالثابت بالشرط"۔

"مجموعۃ القواعد الفقہیہ میں یہ قاعدہ یوں نقل ہوا ہے: المعروف عرفا كالمشروط شرطا اور المعروف بين التجار المشروط بينهم"[8]

اس قاعدے کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی دلال (ایجنٹ) بائع کی طرف سے خریدار کو رقم ادا کرے، تو بعد میں وہ خریدار سے یہ رقم وصول کرنے کا حق رکھتا ہے، کیونکہ عرف عام میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس عرفی تعامل کو گویا معاہدے کی شرط کا درجہ حاصل ہو گا۔

قاعدہ ۴: عرفی تعین، زبانی تعین کے مترادف

اس قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی معاملے میں فریقین ادائیگی کی نوعیت (مثلاً کرنسی) کے بارے میں خاموش رہیں، تو عرفِ عام کے مطابق جو چیز غالب ہو، وہی سمجھی جائے گی۔ مثلاً کسی ملک میں اگر سونے کے سکے رائج ہوں تو خاموشی کی صورت میں سونے کے سکوں سے ادائیگی فرض ہو گی، جیسے کہ باقاعدہ زبان سے یہ طے کیا گیا ہو۔[9]

قاعدہ ۵: عرف سے ثابت حکم، نص کے مساوی

یہ اصول بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی بات شریعت میں کسی نص سے ثابت نہ ہو لیکن عرف سے ثابت ہو جائے، تو اسے بھی ایسی ہی حیثیت حاصل ہو گی جیسی کہ کسی شرعی نص کو حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی معاشرے میں کوئی پیمانہ یا وزن مخصوص طریقے سے رائج ہو جائے، تو اسی پیمانے کو تسلیم کیا جائے گا۔ کوئی دوسرا پیمانہ معتبر نہیں ہو گا اور اس کے ذریعے ہونے والا عقد درست شمار نہ ہو گا۔[10]

قاعدہ ۶: زمانے کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی

---

8 السرخسی، محمد بن أحمد۔ المبسوط، ج14، ص55۔ بیروت: دار المعرفہ، 1993

9 حموی، محمد بن أحمد۔ الأشباہ والنظائر مع شرح حموی، ج1، ص278۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1995

10 ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم۔ الأشباہ والنظائر، ص93۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ، 2011

یہ اصول بتاتا ہے کہ جو احکام عرف و تعامل پر مبنی ہوں، وہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ماضی میں گھروں کے کمرے ایک جیسے ہوتے تھے، تو کسی ایک کمرے کو دیکھ لینے سے خیار رؤیت (چیز کو دیکھ کر رد یا قبول کرنے کا حق) ساقط ہو جاتا تھا۔ لیکن جب زمانے کے ساتھ تعمیرات میں تنوع آیا اور ہر کمرہ مختلف انداز میں بننے لگا، تو فقہاء نے یہ رائے دی کہ اب تمام مکان کا معائنہ ضروری ہو گا تاکہ خیار رؤیت ساقط ہو۔[11]

قاعدہ نمبر۷: عرف اسی وقت معتبر ہوتا ہے جب اس پر عمومی یا غالب عمل ہو

نص قاعدہ:

"إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت"[12]

فقہی اعتبار سے کسی عرف یا عادت کو شرعی حجت ماننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عرف یا تو مسلسل جاری ہو (مطرد ہو) یا کم از کم غالب اکثریت میں موجود ہو۔ صرف کسی کتاب میں ذکر ہونا کافی نہیں، بلکہ اس پر لوگوں کا عملاً عمل ہونا شرط ہے۔

مثال:

اگر کسی شہر میں کئی سکے رائج ہوں اور بیع کے وقت کوئی مخصوص سکہ طے نہ کیا گیا ہو تو وہ سکہ معتبر ہو گا جو عام طور پر لین دین میں استعمال ہوتا ہو۔

قاعدہ نمبر۸: حقیقی معنی کو کبھی عرف کی بنا پر ترک کر دیا جاتا ہے

نص قاعدہ:

"الحقيقة تترك بدلالة العادة"[13]

بسا اوقات کسی لفظ یا اصطلاح کا لغوی معنی اس کے عرفی استعمال سے مختلف ہوتا ہے، اور شریعت میں ایسے مواقع پر عرفی معنی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

مثال:

"صلوٰۃ" کا لغوی معنی دعا ہے، لیکن شریعت میں عرفاً اس سے مراد مخصوص افعال اور اقوال پر مشتمل عبادت (نماز) ہے۔ اسی طرح "صوم" کا لغوی مفہوم امساک (رک جانا) ہے، لیکن عرفی طور پر یہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک مخصوص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے اجتناب کا نام ہے۔

قاعدہ نمبر۹: جو چیز عادتاً ناممکن ہو، وہ حقیقتاً بھی ناممکن کے درجے میں ہے

نص قاعدہ:

"الممتنع عادة كالممتنع حقيقة"

فقہ میں تین قسم کے ممتنع (ناممکن) بیان کیے گئے ہیں:

---

[11] بزدوی، علی بن محمد۔ اصول البزدوی، ج2، ص242۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2002

[12] ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، جلد4، ص355، مطبع دار الفکر، بیروت، 1995

[13] ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، ص123، مطبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1999

1. **ممتنع حقیقی:** جو عقلاً ناممکن ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا شریک۔
2. **ممتنع لغیرہ:** جو بذاتِ خود ممکن ہو لیکن کسی خارجی مانع کی وجہ سے واقع نہ ہو، مثلاً ابو جہل کا ایمان۔
3. **ممتنع عادتاً:** جو عادۃً ناممکن ہو جیسے آسمان پر چڑھنا۔

مثال:

اگر کوئی فقیر شخص دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے اس سے ایک لاکھ روپے غصب کیے ہیں، حالانکہ وہ اتنی دولت کا مالک ہی نہیں رہا تو یہ دعویٰ عادۃً ممتنع شمار ہو گا، اور اس کی سماعت نہ ہو گی۔

قاعدہ نمبر ۱۰: قسم کا اعتبار عرفی مفہوم کے ساتھ کیا جائے گا

نص قاعدہ:

"بناء الأيمان على العرف"

شریعت میں قسم (ایمان) کا مفہوم اور اس پر عملدرآمد عرف کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ محض لغوی مفہوم پر۔

مثال:

اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ "میں نماز نہیں پڑھوں گا" اور بعد میں نماز جنازہ میں شرکت کرے تو وہ حانث (قسم توڑنے والا) نہ ہو گا کیونکہ عرف میں نماز جنازہ کو عمومی طور پر "نماز" نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی کہے "میں روزہ نہیں رکھوں گا" تو محض کسی بھی چیز سے رک جانا (لغوی امساک) عرفاً روزہ نہیں کہلائے گا، بلکہ مخصوص نیت اور اوقات کے ساتھ امساک ہی کو روزہ کہا جائے گا۔

مفتی کے لئے عرف جاننے کی اہمیت

فقہاء احناف نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عرف ورواج اور لوگوں کے حالات سے باخبر ہو اور اسے یہ بات بھی معلوم ہو کہ یہ عرف خاص ہے یا عرف عام، اور کسی نص شرعی سے متصادم ہے یا نہیں، محض مسائل اور دلائل کا حفظ کرنا اس کے لئے کافی نہیں بلکہ مجتہد کے لئے لوگوں کی عادات سے باخبر رہنا بھی بہت ضروری ہے اسی طرح مفتی کے لئے بھی لوگوں کے عرف وعادت کا جاننا ضروری ہے، اس لئے اگر ایک شخص ہمارے فقہاء کی تمام کتابیں حفظ کرلے جب بھی فتوی نویسی کے لئے کسی ماہر مفتی کی صحبت اور نگرانی سے استفادہ کرنا ضروری ہے اس لئے کہ بہت سارے مسائل میں اہل زمانہ کے مطابق فتوی دیا جاتا ہے[14]

اسی طرح بعض اوقات متقدمین فقہاء کرام مختلف اقوال نقل کر دیتے ہیں اور ان میں سے کسی سے بھی ترجیحی سلوک نہیں کیا جاتا تو ان اقوال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس طرح انھوں نے عرف اور حالات کے بدلنے کی وجہ سے اس قول کو لیا ہے جو لوگوں کے لئے آسان ہو اور جس پر لوگوں کا تعامل ہو تا رہا ہو اسی طرح ہم بھی ان اقوال میں سے اس قول پر فتوی دینگے جو اس زمانے کے عرف اور حالات کے لئے مناسب ہو۔ فقہاء کرام اور محققین نے اسی وجہ سے یہ تصریح فرمائی ہے کہ جو مسائل قضا سے متعلق ہوں ان میں امام یوسف کے قول پر فتوی دیا جائے گا اس لئے کہ عہدہ قضا سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ان کو واقعات کا مشاہدہ اور تجربہ ہو چکا تھا اور اس سلسلے میں وہ لوگوں کے احوال اور عادات سے باخبر تھا۔ اسی طرح ذوی الارحام کے مسائل میں امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا۔[15]

---

[14] پالن پوری، سعید احمد، آپ فتوی کیسے دیں، المیزان لاہور 1416ھ ص 132

[15] ایضاً، ص 100,101

لیکن جہاں صاحبین کا قول امام صاحب کے قول کے موافق ہو وہاں اس سے اعراض نہیں کیا جائے گا اور اگر صاحبین ہی امام صاحب کے خلاف ہوں تو اگر انکا اختلاف عصر و زمان کا ہے جیسے گواہوں کی ظاہری حالت پر قاضی کا فیصلہ کرنا، تو مفتی صاحب صاحبین کا قول لے گا، مگر جہاں ایسی ضرورت پیش آجائے کہ اگر امام صاحب کے سامنے بھی وہ صورت پیش آتی تو وہ بھی اپنی پہلی رائے سے رجوع فرما کر موجودہ حالات کے موافق رائے اختیار فرماتے، تو ایسی صورت میں امام صاحب کے قول سے ہٹ کر دوسرا فتویٰ دینا جائز ہے یعنی مفتی صاحب پر متعین طور پر امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا ضروری نہیں [16]

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مفتی کے لئے زمانہ اور اہل زمانہ کی رعایت کے بغیر ظاہر الروایہ کی کتابوں میں ہر منقول بات پر جمود اختیار کرنا جائز نہیں ورنہ اس کا طرز عمل بہت سارے حقوق کے ضیاع کا سبب بن جائے گا اور ایسے مفتی کا ضرر اس کے نفع سے بڑھ کر ثابت ہو گا، کیونکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک آدمی شرعی حکم کے بارے میں پوچھنے آتا ہے لیکن اس کا مقصد اس کے ذریعے کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر اس کو فتویٰ دیا جائے تو اس کے ساتھ ہم بھی گناہ میں شریک ہونگے۔[17]

خلاصہ یہ ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ مستفتی کی حالت اور عرف سے بھی باخبر ہو، عرف جاننے کی اہمیت حضرت عبد اللہ ابن عباس کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ ہمارا ایک آدمی وفات پا چکا ہے اور اس نے بدنہ کی وصیت کی تھی تو کیا اس کی طرف سے گائے کافی ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھی کا تعلق کسی قبیلے سے تھا، تو سائل نے جواب دیا کہ بنو رباح سے، اس پر ابن عباس نے فرمایا کہ جنو ربات نے گائے کب حاصل کی ہے گائے تو ازد قبیلے کے لئے ہے، اس لئے وصیت کے وقت تمہارے ساتھی کا وہم اونٹ ہی کی طرف گیا ہے لہذا گائے کافی نہیں ہو گی۔[18]

اسی طرح یہ ممکن ہے کہ کسی امر کو ایک زمانہ میں جائز رکھا جائے کیونکہ اس وقت اس میں وجود کراہت نہیں تھیں دوسرے زمانہ میں ناجائز کہ دیا جائے اس لئے کہ اس وقت کراہت کی علت پیدا ہو گئی ہے مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی کیونکہ اس وقت فتنے کا احتمال نہ تھا اور صحابہ کرائم نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرمادی۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرنا ثابت ہے لیکن اب بزرگوں کے ساتھ مزاح کرنا خلاف ادب سمجھا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالی کے لئے صیغہ واحد کا استعمال خلاف ادب نہیں کیونکہ عرف عام ہو گیا ہے [19]

متاخرین فقہاء کرام نے زمانہ اور عرف کی تبدیلی کی وجہ سے بہت سارے مسائل میں مذہب کے منصوص مسائل اور ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ صادر کیا ہے، کیونکہ ان کے علم میں یہ بات موجود تھی کہ اگر امام صاحب یا صاحبین بھی اس زمانہ میں موجود ہوتے اور اس صورت حال کا مشاہدہ فرماتے تو وہ بھی اس موقع کی مناسبت سے یہی فتویٰ صادر فرماتے، اسی وجہ سے علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ مفتی کے لئے اب بھی جائز ہے کہ متقدمین کے تو قول کے خلاف اہل زمان کے عرف کے مطابق فتویٰ دے۔[20] اس پوری بحث سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ

---

[16] ایضا، ص80-72

[17] ابن عابدین (م1252) رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور1990، ص128-130

[18] ابن عابدین، رسائل ابن عابدین، ص130،129،128

[19] مولانا منظور احمد، ارشاد اصول فقہ حوالہ اصلاح الرسوم، اے اینڈ بلیو پرنٹر لاہور 2008ء، ص188،187

[20] پالن پوری، سعید احمد، آپ فتویٰ کیسے دیں؟، ص76

مفتی کے لئے ہر دور اور ہر زمانہ میں فتوی دیتے وقت اس وقت کے عرف کی رعایت رکھنی چاہیئے۔ لیکن اس زمانے میں لوگوں کی علمی استعداد میں کمزور ہو چکی ہیں اس لئے ان مسائل میں جن کا تعلق عرف قولی سے ہو ہر مفتی کے لئے مستفتی کے عرف ہی کی رعایت رکھنی ضروری ہے لیکن ایسے مسائل جن کا تعلق اہل زمانہ کے تعامل اور عرف عملی کے ساتھ ہو تو اس میں ہر مفتی کو انفرادی طور پر حقہ مین فقہاء کی مخالفت کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ مسلک کے ماہر اور مشہور مفتیوں کی نگرانی میں اس کا حل تلاش کرنا چاہیئے۔

شافعی مسلک میں عرف وعادت کی اہمیت

شافعی مسلک کے فقہاء نے عرف کی حاکمیت اور احکام شرعیہ کے لئے اس کے اساس ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ بیع معاطاتہ[21] جس پر عام لوگوں کا تعامل ہے شوافع میں امام نووی نے عرف کی وجہ سے اس کے جواز کو ترجیح دی ہے وہ فرماتے ہیں

المعاطاة ليس بيعا على المذهب وقال امام مالك ينعقد بكل ما يعده الناس بيعا واستحسنته ابن الصباغ قلت الذي استحسنه ابن الصباغ هو الراجح دليلاً و هو المختار لانه لم يصح في الشرع اشتراط لفظ فوجب الرجوع الى العرف كغيره من الالفاظ۔ [22]

مذہب (شافعی) میں بعض علماء کے ہاں بیع معاطاتہ جائز نہیں، امام مالک کے ہاں ہر اس طریقے سے انعقاد بیع ہو جاتا ہے جس کو لوگ بیع سمجھتے ہوں، ابن الصباغ نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اور دلیل کی رو سے میرے ہاں یہی قول زیادہ راجح ہے اور یہی مختار ہے اس لئے کہ شریعت میں کسی خاص لفظ کا شرط ہونا ثابت نہیں تو عرف کی طرف رجوع کرنا لازم ہوا جیسے دوسرے الفاظ بیع میں عرف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔"

اسی طرح اگر چہ عام شوافع کے نزدیک وہ ہنر مند لوگ جن کی عادت آخرت اور مزدوری لے کر کام کرنے کی ہو اس وقت تک اجرت کے مستحق نہیں ہو سکتے جب تک عقد کرتے وقت صراحتاً شرط نہ لگائی گئی ہو مثال کے طور پر کسی درزی کو سینے کیلئے کپڑے دیئے جائیں یا کوئی حجام کے سامنے سر منڈوانے بیٹھ جائے یا سواری یا کشتی میں اجازت سے بیٹھ کر سفر کرے، توان تمام صورتوں میں اگر متعاقدین کے درمیان پہلے سے اجرت طے ہوئی ہو، تو یہ لوگ اجرت اور کرائے کے مستحق ہونگے ورنہ نہیں لیکن علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس میں جواز کا قول زیادہ درست ہے اس لئے کہ عام طور پر اجرت معروف ہونے کی وجہ سے کوئی بھی عقد سے پہلے اجرت کو اعتبار دینا زیادہ مناسب ہے جیسا کہ احناف، موالک اور حنابلہ کا مذہب ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی مقاضی حسین شافعی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ان الرجوع الى العرف احد القواعد التي يبنى عليها الفقه [23]

" عرف کی طرف رجوع کرنا ان (پانی) قواعد میں سے ایک ہے، جو فقہ اسلامی کی بناء اور اساس قرار دیے جاتے ہیں۔"

مسائل شرعیہ میں عرف کی تاثیر

---

21 بیع معاطاتہ اس بیع کو کہتے ہیں جس میں لفظی ایجاب وقبول کے بغیر بائع اور مشتری کے درمیان عقد نام ہو جاتا ہے۔

22 النووی، روضۃ الطالبین، ص 3

23 ابن حجر العسقلانی (م 858ھ)، فتح الباری، دارالفکر بیرت، س ن، 5:154

علامہ جلاالدین سیوطی احکام شرعیہ میں عرف کی تاثیر کے لئے ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

كل ما ورد به الشرع مطلقا لا ضابط له فيه ولا في اللغة يرجع الى العرف [24]

ہر وہ چیز جس کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہو، نہ شریعت میں اس کے لئے کوئی ضابطہ ہو اور نہ لغت میں، تو اس میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

علامہ نووی شرح النووی میں لکھتے ہیں۔

ومنها اعتماد العرف في الأمور التي ليس فيها تحديد الشرعي [25]

ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ ان امور میں جن میں کوئی شرعی تحدید نہ ہو عرف پر اعتماد کیا جائے گا۔"

علامہ ابن حجر اس بات کو ذرا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں کہ صفات جن سے احکام متعلق ہوتے ہیں جیسے داڑھی کے گھنی ہونے اور نہ ہونے میں یا نماز میں عمل کثیر یا کلام کثیر کی تحدید میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا، اسی طرح تمام مقادیر جیسے حیض، طہر اور اکثر مدت حمل کی تحدید کے لئے عرف مرجع قرار پائے گا، اسی طرح ایسے افعال جس سے احکام شرعی وابستہ ہوں اور شارع کی طرف سے اس کی تحدید اور ضبط نہ ہو تو ان میں بھی عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسے احیائے موات، قبضہ دیت، وصیت، تفویض (عورت کو اختیار دینا اور طلاق سپرد کرنا) وغیرہ میں عرف وعادت کو اصل قرار دیا جائے گا۔

اس طرح فقہاء شوافع کے ہاں پانی میں تھوڑے سے نجس بال کا ہونا پانی کے نجس ہونے کا سبب نہیں۔ اس طرح اس کپڑے میں جس میں نماز پڑھی جارہی ہو تھوڑے سے نجس بال کا وجود نماز کے فساد کا ذریعہ نہیں۔ اب اس قلیل کی تحدید کس طرح ہو گی علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس تھوڑے ہونے کا مدار عرف پر ہے۔

معروف کا مشروط کے مانند ہونا: شافعی مسلک کا تناظر

فقہ احناف میں معروف کو مشروط کا درجہ دینے کی بات واضح کی گئی ہے، لیکن فقہ شافعیہ کے نقطہ نظر میں اس معاملے میں کچھ تفصیل موجود ہے۔ شافعی فقہاء کے مطابق، جب عرف عام ہو تو اسے مشروط کے طور پر قبول کیا جائے گا، تاہم عرف خاص کی صورت میں فقہاء شوافع کے بیشتر مسائل اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اسے مشروط کے درجے میں نہیں رکھا جائے گا۔

علامہ سیوطی نے لکھا:

"العادة المطردة في ناحية هل تنزل عادتهم منزلة الشرط فيه صور"

یعنی ایسی عادت اور عرف جو کسی ایک علاقے میں شائع ہو، کیا اسے شرط کے درجے میں لایا جائے گا؟ اس کے بارے میں فقہاء کے فروع مختلف ہیں۔ (سیوطی، 2010)

علامہ سیوطی کا "العادة في ناحيته" کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عرف عام کو مشروط کے درجے میں سمجھا جائے گا، جبکہ اگر عرف خاص ہو تو اس کا اطلاق شافعی فروع میں مختلف ہوتا ہے۔ جمہور شوافع کے مطابق، عرف خاص کو مشروط کا درجہ نہیں دیا جائے گا۔

اس حوالے سے چند مسائل درج ذیل ہیں:

---

24 سیوطی، جلال الدین، الاشباہ والنظائر فی قواعد فقہ الشافعی، ج1، ص219

25 النووی، امام یحیٰی، شرح النووی، دار الفکر لبنان، ج8 ص12

- **فصل کی خرید و فروخت:** اگر کسی قوم کا تعامل یہ ہو کہ وہ پکنے سے پہلے فصل کاٹ لیتی ہو تو آیا اس عادت کو مشروط کے درجے میں لایا جائے گا؟ شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق، یہ عادت شرط کے درجے میں نہیں آتی۔
- **رہن میں انتفاع کی شرط:** اگر کسی قوم میں کسی چیز سے انتفاع حاصل کرنے کا عرف ہو تو کیا اسے شرط کے طور پر قبول کیا جائے گا؟ جمہور شوافع کے مطابق، یہ عادت شرط کے درجے میں نہیں آتی۔
- **قرض کا زیادہ واپس کرنا:** اگر کوئی شخص قرض لیتا ہو اور پھر زیادہ ادا کرتا ہو تو کیا یہ عادت شرط کے درجے میں ہو گی؟ شوافع کے صحیح قول کے مطابق، یہ عادت شرط کے درجے میں نہیں آتی۔
- **مبارزت میں امان:** اگر کوئی کافر مسلمان کو مبارزت کی دعوت دے اور امان کی شرط نہ لگائے لیکن عرف وعادت کے مطابق امان دی جاتی ہو، تو کیا یہ عرف شرط کے درجے میں ہو گا؟ شوافع کے صحیح قول کے مطابق، یہ عرف شرط کے درجے میں آتا ہے۔

عرف اور استعمال شرع میں تعارض

احناف کی طرح مواقع بھی بعض جزئیات میں عرف کو استعمال قرآنی پر مقدم سمجھتے ہیں، مثلا ان کے ہاں بھی لحم (گوشت نہ کھانے کی قسم اٹھانے والا مچھلی کھانے سے حانث نہ ہو گا اگرچہ قرآن میں مچھلی کو بھی تم کیا گیا ہے۔

شوافع علماء جیسے علامہ سیوطی نے یہاں اس بات کی تصریح کی ہے کہ استعمال شرع کے ساتھ کوئی شرعی حکم متعلق ہو تو ایسی صورت میں عرف کو استعمال شرع پر ترجیح حاصل ہو گی، علامہ موصوف اس کی یہ مثال ذکر کرتے ہیں کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے کہے "ان رأیت الھلال فانت طالق (اگر تو چاند دیکھے تو تجھے طلاق) اب وہ عورت خود چاند دیکھے یا کوئی دوسرا شخص دیکھ کر اسے اطلاع دیدے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ رویت ہلال سے متعلقہ روایات میں رؤیت علم اور عرفان کے معنی میں آیا ہے لہذا چاند کا علم ہونا اس کی رؤیت (دیکھنے) کے شرعی معنی ہوئے، جبکہ اس کا عرفی معنی آنکھ سے دیکھنا ہے۔ تو اس حالت میں عرف اور استعمال شرع میں تعارض آیا لہذا عرفی معنی کو شرعی معنی کے استعمال پر ترجیح حاصل ہو گی۔[26]

عرف اور لغت میں تعارض

عرف اور لغت میں اگر تعارض آجائے، تو ترجیح عرف کو حاصل ہو گی یا لغت کو مقدم رکھا جائے گا۔ اس مسئلے میں علماء شوافع کا اختلاف ہے قاضی حسین کی رائے ہے کہ معنی موضوع لہ یعنی لغوی معنی کو ترجیح دی جائے گی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عرفی معنی کو ترجیح دی جائے گی امام بغوی نے اس قول کو اختیار کیا ہے اور یہی درست اور مناسب رائے ہے۔ علامہ سیوطی نے اس قول کو معقول کہا ہے اس لئے کہ سارے لوگوں کو لفظی معنی ہمیشہ یاد اور مستحضر نہیں ہوتے اور نہ اکثر لوگ اس سے باخبر ہوتے ہیں جبکہ عرفی معنی کو ہر شخص جانتا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کیا یہ اختلاف مطلق ہے یا اس میں کوئی تفصیل ہے، امام رافعی نے اسے اختلاف مطلق ذکر کیا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی ان کے حوالے سے اختلاف کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر عرف اور وضع میں مطابقت ہو پھر تو کوئی کلام اور اختلاف نہیں اور اگر دونوں میں تعارض ہو تو عام شوافع لغوی معنی کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ امام الحرمین اور امام غزالی عرف کو معتبر جانتے ہیں۔ ہاں امام رافعی کے علاوہ دوسرے حضرات اختلاف کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ یہاں اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ عرفی معنی کا بھی لغت میں استعمال موجود ہو یعنی لغوی معنی کے نیچے اس طور پر واقع ہو کہ لغت عام اور عرف خاص ہو جیسے لفظ "بیت" عرفی معنی کے اعتبار

---

[26] ایضا 1/213

سے پکی اینٹوں یا پتھروں سے بنے ہوئے کمرے یا گھر کو کہتے ہیں جبکہ لغت میں یہ عام ہے یعنی عرفی معنی کو بھی شامل ہے اور غیر عرفی معنی (خیموں) کو بھی شامل ہے تو ایسی صورت میں شوافع علماء کا اختلاف ہے کہ عرف کو ترجیح دی جائے گی یا لغت کو۔ اور اگر عرفی معنی کا سرے سے لغت میں کوئی وجود ہی نہ ہو۔ پھر بالاتفاق لغت معتبر رہے گی۔ اسی طرح اگر لغوی معنی بالکل متروک اور نسیانی ہو تو عرف کو ترجیح دی جائے گی۔

ایمان کی بناء عرف پر

شوافع کے ہاں مشہور قول کے مطابق ایمان کی اصل بناء لغت پر ہے جیسا کہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔

وقالوا في الأيمان انها تبتنى اولا على اللغة ثم على العرف

شوافع نے ایمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ اولاً وہ لغت پر مبنی ہے اور پھر عرف پر۔

البتہ بعض جزئیات میں فقہ شافعیہ میں بھی عرف کو لغت پر ترجیح دی گئی ہے جیسے سر نہ کھانے کی قسم والے مسئلے میں عرف کو مقدم رکھا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ شیخ ابو زید کا قول ہے جو امام نووی نے نقل کیا ہے۔

لا ادرى ماذا بني الشافعي مسائل الأيمان ان اتبع اللغة فمن حلف لا يأكل الرأس فينبغي ان يحنث برووس الطير ولاسمك وان اتبع العرف فاهل القرى لا يعدون الخيام بيوتا[27]

میں نہیں جانتا کہ امام شافعی نے کس چیز پر ایمان کی بناء رکھی اگر لغات کے اعتبار دیا جاتا تو جو شخص قسم اٹھائے کہ سر نہیں کھائے گا تو چاہیے تھا کہ پرندے اور مچھلی کا سر کھانے سے حانث ہو جاتا اور اگر عرف کی اتباع کرتے تو بستی والوں کے خیموں کو بیت نہ کہتے۔

امام نووی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ لغت عام ہونے کے وقت لغت کو ترجیح دی جائے گی اور جب عرف میں عموم اور استمرار ہو تو اس کی اتباع ضروری ہو گی۔

مالکی مسلک میں عرف وعادت کی اہمیت

فقہ مالکی کی نسبت امام مالک بن انس کی طرف کی جاتی ہے۔ آپ امام دار الھجرۃ کے لقب سے مشہور ہیں۔ فقہاء مالکیہ نے مسائل فقہیہ میں شوافع کی بنسبت عرف اور تعامل کا زیادہ سہارا لیا ہے، مشہور مالکی فقیہ ابو العباس قرانی لکھتے ہیں کہ کسی مسلمان کے تصرفات کی مشروعیت کے انیس (19) دلائل ہیں ان میں سے ایک دلیل آپ نے عرف وعادت کو قرار دیا ہے

مالکیہ کے مشہور فقیہ علامہ شاطبی لکھتے ہیں۔

العوند الجارية ضرورية الاعتبار شرعا[28]

جو عادتیں لوگوں میں جاری ہوں ان کو اعتبار دینا شرعاً ضروری ہے۔

اسی طرح علامہ محمد امین بن محمد المختار الشنقیطی فرماتے ہیں کہ ان قوائد میں سے جن پر فقہ اسلامی کی بناء ہے ایک قاعدہ اور ضابطہ "حکیم العرف" ہے یعنی عرف کو مسائل فقہیہ کے لئے اساس اور حکم قرار دینا۔[29]

---

27 النووی، روضۃ الطالبین، ج1 ص70

28 الشاطبی، امام ابو اسحاق (م790ھ)، الموافقات فی اصول الاحکام، دار الفکر بیروت، س ن، ج2 ص200

29 الشنطیقی، محمد امین بن محمد المختار (م1393ھ)، اضواء البیان، دار احیاء التراث العربي، س ن، ج3 ص539

معاملات وغیرہ میں مالکیہ کے ہاں اصل مرجع عرف ہے۔ عرف ہی کی وجہ سے ایک عقد کے اجارہ ہونے یا بیع ہونے یا ہبہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ علامہ دسوقی کتاب الاجارہ میں لکھتے ہیں کہ کبھی کبھار عرف کی وجہ سے شرعاً اجارہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی عقد نہ ہوا ہو، یہ ان اعمال میں ہوتا ہے جو کوئی آدمی دوسروں کے لیے کرتا ہے، اور اس جیسا آدمی اس پر اجرت وصول کرتا ہے اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں اور اس انعقاد کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے قواعد میں ہے کہ عرف شرط کی طرح ہے اور عادت محکم ہے یعنی حکم کی بنیاد عرف وعادت ہے

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ یعنی مالکیہ کے ہاں معاملات میں اصل مرجع لوگوں کا عرف اور عادت ہے لہذا جس کو لوگ عقد بیع سمجھتے ہوں وہی عقد بیع کہلائے گا۔ اور جس کو لوگ اجارہ سمجھتے ہوں وہی اجارہ ہوگا اور جس کو لوگ ہبہ سمجھتے ہوں وہ ہبہ ہوگا اور یہ بات کتاب وسنت کے زیادہ قریب ہے۔

عرف کے بدلنے سے فتویٰ بھی بدل جاتا ہے

علامہ قرافی کا پایۂ علم محتاج بیان نہیں، آپ لکھتے ہیں

فجميع هذه المسائل والابواب التي سردتها مبنية. في كل عصر و حين [30]

یہ مسائل اور فقہی ابواب جن کا میں نے ذکر کیا ہے، تاہیر کیے ہوئے پھلوں کے مسئلہ کے سواءعادت پر مبنی ہیں، کیونکہ مذکورہ مسئلہ کی اساس نص اور قیاس ہے، اور دوسرے مسائل کی اساس رواج ہے لہذا رواج بدل جائے یا ختم ہو جائے تو یہ فتاوی بھی باطل ہو جائیں گئے اور اس کی اساس وبنیاد کے فوت ہو جانے کے باعث اس کے مطابق فتویٰ دینا حرام ہو گا۔ یہ ایک قابل غور نکتہ ہے، بلکہ ایسے فتاوی رواج ہی کے تابع ہوتے ہیں، جیسی تبدیلی رونما ہو ویسا ہی حکم ہو گا، جیسا کہ ہر زمانہ اور عہد میں بدلے ہوئے سکوں کا حکم ہوتا ہے"

عرف کا بمنزلہ مشروط ہونا

فقہاء مالکیہ کے ہاں بھی عرف مشروط کے درجہ میں ہے۔ المدونۃ الکبری کے اس جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ امام مالک سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی سے سو درہم قرض لے اور پھر بغیر کسی شرط اور وعدہ کے ایک سو میں درہم ادا کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ ادا کرتے وقت زیادہ دیتا تو مجھے پسند نہیں البتہ اگر ادائیگی کے بعد اور دے تو اسمیں کوئی حرج نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ نہ پہلے سے کوئی وعدہ ہو اور نہ اس کی عرف وعادت ہو، اگر پہلے سے شرط لگائی ہو یا زیادہ دینے کا عرف وعادت ہو تو زیادہ دینا درست نہ ہو گا، پھر اس جیسی کئی جزئیات نقل کرنے کے بعد آگے فرماتے ہیں" اور ان مسائل میں سب کچھ (زیادہ دینا) جب جائز ہے، جب ان دونوں میں پہلے سے عادت مقرر نہ ہو، اگر عادت مقرر ہو تو اسمیں کوئی خیر نہیں۔ [31]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلے سے عادت مقرر نہ ہونے کی شرط لگانا اس بات کی دلیل ہے کہ مالکیہ کے ہاں عرف اور عادت مشروط کی طرح ہے۔ علامہ ابن بطال مالکی" فرماتے ہیں کہ عرف فقہاء کرام کے ہاں معمول بہ اور قابل عمل چیز ہے اور وہ بیوع وغیرہ میں لازمی شرط کی طرح ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو سامان بیچنے کا وکیل بنائے اور وہ اس سامان کو اس سکہ سے نہ بیچے جو لوگوں میں معروف ہو تو جائز نہیں بلکہ اس شخص کے ذمے متعارف سکے سے پہپنا لازم ہو گا۔ اسی طرح مکیلی یا موزونی چیز متعارف وزن سے نہ بیچے تو جائز نہیں۔ [32] اسی طرح کئی

---

30 قرافی، الفروق، ج 3، ص 288، دار المعرفہ لبنان، 2007

31 امام مالک، المدونۃ الکبری، دار الکتب العلمیۃ، ج 3، ص 49644

32 ابن بطال (م 449ھ) شرح صحیح البخاری، مکتبہ الرشید ریاض، س ن، ج 6 ص 333

مسائل میں امام مالک نے عرف کو نص کا درجہ دیا ہے مثلا ایسا قاضی جو خلیفہ اور حاکم کی طرف سے مقرر ہو اور حاکم نے اسے اپنا قائم مقام بنانے یا نہ بنانے کی کوئی تصریح نہ کی ہو، تو فقہاء مالکیہ کی تصریح کے مطابق اس کے لیے کسی قریبی جانب میں بغیر عذر اپنا نائب بنانا جائز نہیں، ہاں اگر حاکم کی جانب سے اجازت کی تصریح ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے نائب مقرر کرنا جائز ہے اور اس طرح اگر اس بات پر عرف قائم ہو کہ قاضی اپنا نائب مقرر کیا کرتے ہوں تو یہ عرف بھی بمنزلہ نص اور تصریح کے ہو گا، جیسا کہ علامہ شمس الدین الہ سوقی لکھتے ہیں:

وينبغي ان العرف بالاستخلاف وعدمه كا النص على ذلك [33]

خلیفہ یا نائب بنانے اور نہ بنانے کے جواز میں عرف کو اصل قرار دیا گیا ہے "

کیا عرف عملی مخصص ہو سکتا ہے؟

عرف قولی کے ساتھ عام کی تخصیص بالاتفاق جائز ہے لیکن کیا عرف عملی بھی عام کی تخصیص کا سبب ہو سکتا ہے۔ تو اس میں علماء مالکیہ کا اختلاف ہے۔ علامہ شہاب الدین القراقی کی رائے یہ ہے کہ عرف عملی لفظ کی تخصیص کا سبب نہیں بن سکتا بلکہ اس نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے۔ کہ عرف عملی کے ذریعے عام کی تخصیص جائز نہیں۔[34]

لیکن جمہور مالکیہ کی رائے اس کے خلاف ہے جمہور کے ہاں عرف کے ہاں عرف قولی کی طرح عرف عملی بھی تخصیص کا سبب بن سکتا ہے اسی وجہ سے علامہ شمس الدین وسوقی نے قرانی کی تردید کی ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ جمہور مالکیہ کے ہاں عرف محملی بھی تخصص اور مقید ہے

الشفقیطی نے بھی عرف کے تخصص ہونے کو ترجیح دی ہے اور احمد بن عبد الرحمن حلولو مالکی نے بھی اس کو مختار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جہاں تک عرف وعادت کے ساتھ عام لوگوں کے الفاظ کی تخصیص کی بات ہے تو مشہور یہ ہے کہ عادت سے تخصیص جائز ہے اگر چہ عادت فعلی ہو اور اس طرح مطلق الفاظ کی تقید بھی جائز ہے البتہ ابن قاسم کی رائے کے مطابق بعض مسائل میں تخصیص واقع نہیں ہوئی ہے جیسے کوئی شخص قسم اٹھائے کہ گوشت نہیں کھائے گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے حانث ہو جائے گا اور قرانی نے اس بات پر جو اجماع نقل کیا ہے کہ عادت فعایہ (عرف عملی) الفاظ کو خاص نہیں کر سکتا، صحیح نہیں اس کو شیخ ابن عرفہ (الدسوقی) نے مذہب کے مسائل کے ساتھ رد کیا ہے[35]

حنبلی مسلک میں عرف وعادت کی اہمیت

فقہ حنبلیہ میں عرف وعادت کا شمار بھی اہم اصولوں میں ہوتا ہے جس کی بنیاد پر کئی فقہی مسائل میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حنبلی علماء نے اس ضابطہ کو متعدد معاملات میں تسلیم کیا ہے کہ جب شریعت اور لغت میں کسی چیز کی تحدید نہ ہو، تو عرف وعادت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

علامہ ابن تیمیہ اس ضابطہ کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ اسماء اور اشیاء جن کے ساتھ اللہ نے قرآن وسنت میں احکام وابستہ کئے ہوں، ان میں سے بعض کی حد شرع سے واضح ہوتی ہے، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، ایمان، اسلام، اور کفر ونفاق، لیکن بعض ایسی چیزیں ہیں جن کی تحدید

---

33 الدسوقی، محمد بن احمد، حاشیۃ اللہ سوقی علی شرح الکبیر، ج4، ص133، دار الفکر س۔ن

34 القرافی، علامہ شباب الدین (م486)، الفروق، دار المعرفہ لبنان، س ن، ج1، ص174

35 احمد بن عبد الرحمان حلولی مالکی (م898ھ)، الضیاء الامع فی شرح جمع الجوامع، دار ابی یوسف تاشقند، س ن، ج2، ص 78

لغت پر موقوف ہے، جیسے سورج، چاند، اور کچھ ایسی چیزیں جن کی تحدید کے لئے لوگوں کی عرف وعادت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جیسے بیع، نکاح، قبضہ اور دیگر مسائل جن میں شارع نے کوئی مخصوص حد نہیں رکھی اور نہ ہی یہ اہل لغت میں عمومی طور پر متفق ہیں۔"

اس اصول کے مطابق، حنبلی فقہاء نے کئی اہم مسائل میں عرف کو اساس قرار دیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- **مقدار حیض:** حنبلیہ کے مطابق، قرآن و سنت میں حیض کی مقدار کی کوئی تحدید نہیں کی گئی، اس لئے جو شخص بھی اس کی کوئی خاص مقدار مقرر کرتا ہے، وہ کتاب و سنت کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اس لئے صحیح قول یہ ہے کہ نہ تو حیض کی کم سے کم حد ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ، بلکہ جتنے دن کی عادت ہو، وہی حیض کہلائے گا۔
- **نماز میں کشف عورت:** اگر عورت کا جسم کشف ہو، لیکن وہ زیادہ نہ ہو، تو وہ نماز کے فساد کا سبب نہیں بنے گا۔ کشف عورت کے کم یا زیادہ ہونے کا فیصلہ بھی عرف اور عادت سے کیا جائے گا، کیونکہ اس کی کوئی مخصوص مقدار شریعت میں نہیں دی گئی۔
- **نماز میں اتصال صفوف:** صفوں کا آپس میں کس فاصلے پر اتصال برقرار رہتا ہے اور کتنے فاصلے کی وجہ سے یہ ختم ہو جاتا ہے، اس کا فیصلہ بھی عرف اور عادت پر موقوف ہے۔
- **عمل کثیر اور عمل قلیل:** جو عمل صلوۃ میں مفسد ہوتا ہے اور جو نہیں ہوتا، اس کا فیصلہ بھی عرف کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔
- طواف کا انقطاع: طواف کے دوران اگر وقفہ طویل ہو جائے، تو دوبارہ طواف شروع کرنا ضروری ہو گا۔ اس وقفے کی مقدار کو بھی عرف اور عادت سے طے کیا جائے گا۔
- **احیاء موات:** حنبلیہ کے ہاں، زمینوں کا احیاء عرف پر موقوف ہے۔ وہ طریقہ کار جو عرف میں احیاء سمجھا جاتا ہے، اس سے احیاء متحقق ہو گا۔ نیز، جو زمینیں آبادی کے قریب ہوں، ان کا احیاء کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہو گا، اس کا فیصلہ بھی عرف وعادت سے کیا جائے گا۔
- **بیع معاطاتہ:** حنبلیہ نے بیع معاطاتہ کو بھی عرف کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ شریعت نے عقد بیع کو حلال کیا ہے، لیکن اس کی کیفیت بیان نہیں کی، اس لئے اس میں عرف کی طرف رجوع ضروری ہے۔

عرف کا نص اور تصریح کا قائم مقام ہونا

فقہاء حنابلہ نے بھی کئی مسائل میں عرف کو نص کی طرح قرار دیا ہے اور اس کے متعلق قاعدہ ہے کہ "الثابت بالعرف کا الثابت بالنص " یعنی عرف سے ثابت ہونے والی چیز نص سے ثابت ہونے والی چیز کی طرح ہے، جیسا کہ علامہ ابن قدامہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص درزی یا دھوبی کو اپنے کپڑے دے اور دینے کے وقت نہ کوئی عقد ہو نہ شرط ہو اور نہ اجرت کی طرف کوئی اشارہ ہو تو دھلائی اور سلائی کے بعد ان دونوں کو اجرت دینا ضروری ہے۔ شوافع کے ہاں یہ لوگ اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے کیونکہ انھوں نے بغیر کسی مقررہ عوض کے یہ کام کیا ہے گویا یہ ایسا ہوا کہ انھوں نے تبرعا یہ کام کیا ہو لیکن فقہاء حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ اجرت کے ساتھ کام کرنے پر عرف قائم ہے لہذا یہ قول اور تصریح کے قائم مقام ہو گا جیسے کوئی شخص تمام میں داخل ہو یا کشتی میں بیٹھ جائے تو یہاں دونوں جگہ اجرت دینا لازم ہے۔

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں۔

وقد أجرى العرف مجرى النطق في أكثر من مائة موضع [36]

36ابن قیم، اعلام الموقعین، ج2، ص293

عرف کو سو سے زائد جگہوں میں نطق اور لفظ کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔"

جیسے کھانے وغیرہ کی معمولی سی چیز جو لوگوں سے گری ہوئی ہو گا استعمال کرتا، درخت کی کسی شاخ سے راستے میں گرے ہوئے پھل کا کھانا، چنے ہوئے پھلوں اور کٹی ہوئی فصل میں سے جو ایک آدھ دانہ باقی رہ جائے، کا بغیر کسی صریح اجازت کے لینا سب عرف کی وجہ سے جائز ہے اور اس کے لئے اصل مروۃ ابن الابعد الباقی کی روایت ہے کہ اس کو جب حضور صلی ہم نے ایک دینار دے کر بکری خریدنے کا وکیل بنا دیا تو اس نے دینار سے دو بکریاں خریدیں، پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار سے بیچ دیا اور دوسری بکری اور ایک دینار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا تو یہاں عقد ثانی بغیر کسی لفظی اجازت کے ہے کیونکہ عرفی اجازت پر اعتماد کیا جو کئی جگہوں میں لفظی اجازت سے بھی زیادہ قوی ہے۔

عرفی شرط کا لفظی شرط کی طرح ہونا

یہ اسی سابقہ قاعدہ کے قریب ایک قاعدہ ہے کہ جو چیز عرف میں مشروط ہو وہ لفظاً مشروط کی طرح ہے۔ علامہ ابن القیم "الشرط العرفي كالشرط اللفظي" جیسے الفاظ کے ساتھ اس کی تصریح فرماتے ہیں یعنی عرفی شرط درجہ میں لفظی شرط کی طرح ہے جیسے عقد میں غالب اور متعارف سکہ کا بغیر شرط کے لازم ہونا اور بغیر لفظی تصریح کے صحیح کی سلامتی کا مشروط ہونا مبیع میں اگر کوئی عیب ہو تو مشتری کو واپس کرنے کا حق حاصل ہو گا تو اس میں عرفاً مبیع کی سلامتی والی شرط کو لفظی شرط کے درجہ میں اتار دیا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے بچے کی رضاعت کے لئے کسی عورت کو اُجرت پر لے تو کیا اس عورت پر اس بچے کی پرورش بھی ضروری ہے اس بارے میں علامہ علی بن سلیمان المرداوی لکھتے ہیں۔

میری رائے ہے کہ عرف وعادات کی طرف رجوع کیا جائے یعنی اگر عرفاً مرضعہ دودھ پلانے کے ساتھ ساتھ بچے کی پرورش بھی کرتی ہو تو مطلق عقد میں بھی اس پر پرورش لازم ہو گا ورنہ نہیں۔[37]

نتائج

- عرف وعادت اسلامی فقہ میں ایک اہم ماخذ کے طور پر قبول کی جاتی ہے جسے مختلف فقہی مکاتبِ فکر نے مختلف مسائل میں استعمال کیا ہے۔
- مختلف فقہی مسالک جیسے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی عرف وعادت کی حجیت کے بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں، مگر عمومی طور پر ان سب میں عرف وعادت کو بطور اصل مانا گیا ہے جب شریعت میں کسی مسئلے کی وضاحت نہیں ہوتی۔
- عرف وعادت کو شرعی حکم سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ معاشرتی طور پر تسلیم شدہ ہو، اس میں ظلم یا حرام شامل نہ ہو، اور وہ کسی قطعی شرعی نص کے خلاف نہ ہو۔
- حنفی فقہاء نے عرف کو بہت سے مسائل میں معتبر ماخذ تسلیم کیا ہے، خاص طور پر جب شریعت نے کسی مخصوص مسئلے کی وضاحت نہ کی ہو۔
- مالکیہ نے بھی عرف وعادت کو اہمیت دی ہے، خاص طور پر اگر وہ اسلامی معاشرتی یا ثقافتی روایات کے مطابق ہو۔
- شافعیہ نے عرف کو ایک مضبوط ذریعہ قرار دیا ہے، بشرطیکہ وہ عوامی مفاد میں ہو اور قرآن وسنت سے متضاد نہ ہو۔
- حنبلی فقہاء نے بھی عرف وعادت کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ جب تک کوئی متعین نص موجود نہ ہو، عرف کو اہمیت دی جائے۔

---

37 المرداوی، ابوالحسن علی بن سلیمان (م 885) صحیح الفروع، مکتبہ علم الکتب، س ن، ج 4، ص 432

- عرف وعادت کو جب شرعی احکام کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کا دائرہ ان حالات تک محدود ہوتا ہے جہاں قطعی نصوص کی وضاحت نہ ہو اور عرف کسی خاص معاشرتی یا ثقافتی پس منظر میں موجود ہو۔
- عرف وعادت کے استعمال میں اجتہاد کا کردار اہم ہوتا ہے، کیونکہ مختلف فقہاء مختلف اوقات میں نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کرتے ہیں۔
- عرف وعادت کسی قوم یا معاشرتی گروہ کی عملی زندگی کی عکاسی کرتی ہے، اور اس کی بنیاد پر شرعی احکام کی تطبیق میں لچک فراہم کی جاتی ہے۔
- شریعت کا مقصد انسانی فلاح اور ان کی ضروریات کو مد نظر رکھنا ہے، اور عرف وعادت اس میں اہم کردار ادا کرتی ہے تاکہ احکام معاصر مسائل کے مطابق ہوں۔

سفارشات

- فقہی مسالک کو چاہیے کہ وہ عرف وعادت کی حجیت کے معاملے میں ایک دوسرے کے موقف کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم آہنگی پیدا کریں، تاکہ اسلامی معاشرتی احوال کے مطابق اجتہاد کیا جاسکے۔
- جب کوئی مسئلہ شریعت میں واضح نہ ہو تو فقہاء کو معاشرتی عرف کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ لوگوں کی حقیقی ضروریات اور حالات کو ظاہر کرتا ہے۔
- عرف وعادت کو اس وقت تک قبول نہ کیا جائے جب تک کہ وہ قطعی شرعی نصوص کے خلاف نہ ہو، تاکہ اسلامی اصولوں کی حفاظت کی جاسکے۔
- جدید مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے، اور فقہاء کو چاہیے کہ وہ عرف وعادت کو اجتہادی فیصلوں کے ساتھ ہم آہنگ کریں تاکہ شرعی احکام کو معاصر حالات کے مطابق ڈھالا جاسکے۔
- عرف وعادت کی حجیت کا تعین کرتے وقت فقہاء کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ کسی مخصوص علاقے یا گروہ کی عادت نہ ہو بلکہ وہ اجتماعی طور پر تسلیم شدہ ہو۔
- فقہاء کو چاہیے کہ وہ عرف وعادت کے فیصلوں میں اسلامی معاشرتی ثقافت اور روایات کو مد نظر رکھیں، تاکہ ان کے فیصلے اسلامی اقدار کے مطابق ہوں۔
- عرف وعادت کی حجیت کے بارے میں شرعی فیصلے کرتے وقت فقہاء کو معاشرتی حالات، لوگوں کی ضروریات اور ثقافتی پس منظر کو مد نظر رکھتے ہوئے لچک اختیار کرنی چاہیے۔
- فقہاء اور اسلامی اسکالرز کے لیے عرف وعادت کی شرعی حجیت کے موضوع پر تعلیمی پروگرامز اور ورکشاپس منعقد کی جانی چاہیے تاکہ اس پر مزید تحقیق کی جاسکے اور عوام کو اس کے بارے میں آگاہی دی جاسکے۔
- فقہاء کو چاہیے کہ وہ عرف وعادت کے بارے میں مزید فقہی تفصیلات فراہم کریں تاکہ مسلمان معاشرے میں اس کی صحیح تشریح کی جاسکے اور کسی بھی طرح کے غلط فہمی سے بچا جاسکے۔
- عرف وعادت کی حجیت کے بارے میں فیصلے کرتے وقت فقہاء کو مستقبل میں آنے والے نئے مسائل کے حل کے لیے تیار رہنا چاہیے تاکہ وہ وقتاً فوقتاً اجتہادی طریقے سے درست فیصلے کرسکیں۔

- مختلف فقہی مسالک کے علماء کو آپس میں رابطہ اور مشاورت بڑھانی چاہیے تاکہ وہ عرف وعادت کے متعلق مشترکہ اصول وضع کریں جو پوری امت مسلمہ کے لیے فائدہ مند ہوں۔
- فقہاء کو عرف وعادت کی حجیت کے بارے میں محتاط اور دانشمندانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ اس کے غلط استعمال یا تجاوز سے بچا جا سکے اور صرف وہی عرف حجت تسلیم کیا جائے جو واقعی شرعی اصولوں کے مطابق ہو۔

خلاصہ

فقہی مسالک کی روشنی میں شرعی احکام میں عرف وعادت کی حجیت ایک اہم اور وسیع موضوع ہے جو اسلامی فقہ میں عرف وعادت کی حیثیت اور اس کے شرعی احکام پر اثرات کو زیرِ بحث لاتا ہے۔ اس موضوع میں مختلف فقہی مسالک کے علماء نے اس بات پر توجہ مرکوز کی ہے کہ شریعت کے قطعی نصوص اور اصولوں کے ساتھ عرف وعادت کو کس حد تک قابلِ اعتبار سمجھا جا سکتا ہے، خاص طور پر ان مسائل میں جہاں شریعت کی صریح ہدایات موجود نہیں ہیں۔ فقہاء نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عرف وعادت مسلمانوں کے معاشرتی، ثقافتی، اور اقتصادی حالات کی عکاسی کرتی ہے، اور ان کی بنیاد پر جدید مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود، فقہاء نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ عرف و عادت کو اس وقت تک حجت تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ شریعت کی قطعی نصوص کے خلاف نہ ہو۔ مختلف فقہی مسالک، جیسے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی، نے اس معاملے میں اپنے مخصوص اجتہادی طریقے اپنائے ہیں، تاہم ان سب میں ایک بات مشترک ہے کہ عرف کو ایک معیاری ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے بشرطیکہ وہ شریعت کی اصولوں اور اقدار سے ہم آہنگ ہو۔ فقہاء نے عرف وعادت کو مسائل کے حل کے لیے اہم قرار دیا ہے، وہیں یہ بھی ضروری سمجھا گیا ہے کہ عرف وعادت کے فیصلے کرنے میں فہمِ صحیح اور اجتہاد کی ضرورت ہے تاکہ وہ کسی بھی مخصوص گروہ یا ثقافت کے محدود دائرے میں نہ محصور ہوں۔ اسلامی فقہ نے عرف وعادت کو ایک زندہ اور متحرک اصول کے طور پر پیش کیا ہے جو وقت و مکان کے مطابق بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ترقی کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کی روح اور اس کے بنیادی مقاصد کے مطابق ہو۔ عرف وعادت کو اسلامی فقہ میں ایک قابلِ اعتبار ماخذ تسلیم کیا گیا ہے، جو مختلف فقہی مسالک میں مختلف طریقوں سے شرعی احکام کی تفہیم اور تطبیق کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تاہم، اس کو ایک معیاری اصول کے طور پر تسلیم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ شریعت کے قطعی نصوص سے ہم آہنگ ہو اور اس کے ذریعے انسانی مصالح اور ضروریات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

Bibliography

1. Al-Bukhari, Muhammad ibn Isma'il. Sahih al-Bukhari, Vol. 1. Karachi: Qadeemi Kutub Khana,2008
2. Al-‘Ayni, Badr al-Din. Umdat al-Qari Sharh Sahih al-Bukhari, Vol. 12. Beirut: Dar Ihya al-Turath al-‘Arabi, 2002
3. Bazdawi, Ali ibn Muhammad. Usul al-Bazdawi, Vol. 2. Beirut: Dar al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 2002.
4. Ibn Nujaym, Zayn al-Din ibn Ibrahim. Al-Ashbah wa al-Naza’ir. Karachi: Qadeemi Kutub Khana, 2011.
5. Al-Sarakhsi, Muhammad ibn Ahmad. Al-Mabsut, Vol. 14. Beirut: Dar al-Ma‘rifah, 1993.
6. Hamawi, Muhammad ibn Ahmad. Al-Ashbah wa al-Naza’ir with Sharh of Hamawi, Vol. 1. Beirut: Dar al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 1995.
7. Ibn ‘Abidin, Muhammad Amin. Radd al-Muhtar ‘ala al-Durr al-Mukhtar, Vol. 4. Beirut: Dar al-Fikr, 1995.

8. Ibn ‘Abidin, Muhammad Amin. Rasa’il Ibn ‘Abidin. Lahore: Suhail Academy, 1990.
9. Palanpuri, Saeed Ahmad. Aap Fatwa Kaise Dein? Lahore: Al-Meezan, 1416 AH.
10. Ahmad, Manzur. Irshad Usul al-Fiqh Hawala Islah al-Rusum. Lahore: A&B Blue Printers, 2008.
11. Al-Nawawi, Yahya ibn Sharaf. Rawdat al-Talibin, Vol. 1. Beirut: Dar al-Fikr, 2010
12. Ibn Hajar al-‘Asqalani, Ahmad ibn Ali. Fath al-Bari, Vol. 5. Beirut: Dar al-Fikr, 2004.
13. Al-Suyuti, Jalal al-Din. Al-Ashbah wa al-Naza’ir fi Qawa‘id Fiqh al-Shafi‘i, Vol. 1. Beirut: Dar al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 2000
14. Al-Nawawi, Yahya ibn Sharaf. Sharh al-Nawawi ‘ala Muslim, Vol. 8. Beirut: Dar al-Fikr, n.d.
15. Al-Shatibi, Abu Ishaq. Al-Muwafaqat fi Usul al-Ahkam, Vol. 2. Beirut: Dar al-Fikr, 2O12
16. Al-Shanqiti, Muhammad Amin ibn Muhammad al-Mukhtar. Adwa’ al-Bayan, Vol. 3. Beirut: Dar Ihya’ al-Turath al-‘Arabi,2003
17. Al-Qarafi, Ahmad ibn Idris. Al-Furuq, Vol. 3. Beirut: Dar al-Ma‘rifah, 2007.
18. Malik ibn Anas. Al-Mudawwanah al-Kubra, Vol. 3. Beirut: Dar al-Kutub al-‘Ilmiyyah, n.d.
19. Ibn Battal, Muhammad ibn Ahmad. Sharh Sahih al-Bukhari, Vol. 6. Riyadh: Maktabah al-Rushd, 2001
20. Al-Dusuqi, Muhammad ibn Ahmad. Hashiyat al-Dusuqi ‘ala al-Sharh al-Kabir, Vol. 4. Beirut: Dar al-Fikr, 1998
21. Al-Qarafi, Shihab al-Din. Al-Furuq, Vol. 1. Beirut: Dar al-Ma‘rifah, n.d.
22. Halluli, Ahmad ibn ‘Abd al-Rahman. Al-Diya’ al-Lami‘ fi Sharh Jam‘ al-Jawami‘, Vol. 2. Tashkent: Dar Abi Yusuf, n.d.
23. Ibn Qayyim al-Jawziyyah, Muhammad ibn Abi Bakr. I‘lam al-Muwaqqi‘in, Vol. 2. Beirut: Dar al-Jil,1999
24. Al-Mardawi, Ali ibn Sulayman. Al-Insaf fi Ma‘rifat al-Rajih min al-Khilaf ‘ala Madhhab al-Imam Ahmad ibn Hanbal, Vol. 4. Beirut: Maktabah ‘Ilm al-Kutub, 2009